جلد ۰۱ شمارہ ۱۸، ۲۰۲۵

Article

History of Lahore in Urdu prose literature

اُردو نثری ادب میں لاہور کی تاریخ

Dr. Rehana Kausar[1*], Prof. Dr. Muhammad Kamran[2]
[1]Head of Department, Lahore College for Women University Lahore,
[2]Dean Faculty of Oriental Languages, University of the Punjab, Lahore
***Correspondence:** rehanakausar@lcwu.edu.pk

ڈاکٹر ریحانہ کوثر[۱]، پروفیسر ڈاکٹر محمد کامران[۲]

[۱]صدر شعبہ اردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی، لاہور، [۲]ڈین فیکلٹی آف اورئینٹل لرننگ، جامعہ پنجاب لاہور

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Copyright: © 2025 by the authors.

Abstract:

Lahore, the city of lights and colors, has its own very diverse and rich historical and cultural values. Lahore, the capital of Punjab, went through various ages during its cultural and civilization evolution. There are many things found in history about its settlement and name. Ancient Lahore that settled on the bank of the river Ravi has still its monuments and remnants of the ancient city. It has many famous and historical places. The Mughal architecture has its own magnificent impact and shows beauty and glory of Mughal reign. Lahore city has always been important, and core center in terms of development and industrial context. During the Sikh era, Lahore's civilization suffered through many destructions and decline. In the British era, the civilization of Lahore enlightened by new horizons of development. Urdu prose depicts different ages and shades of Lahore. In this article an attempt has been made to review the history of Lahore in the light of Urdu literature.

Keywords:
horizon, enlightened, depicts, monuments, impact, magnificent, civilization, ancient, evolution

لاہور پنجاب کا دارالحکومت اور ایک تاریخی و ثقافتی شہر کا درجہ رکھنے والا یہ شہر دریائے راوی کے کنارے صدیوں سے آباد ہے اور یہ شہر ہمیشہ سے صوبہ پنجاب کا دارالحکومت رہا۔ ضلع لاہور میں لاہور کی میونسپل کارپوریشن کی حدود کے علاوہ تحصیل لاہور، لاہور چھاؤنی، رائے ونڈ اور کاہنہ کے قصبات شامل ہیں۔ انتظامی طور پر اسے دو تحصیلوں، تحصیل لاہور شہر اور تحصیل لاہور صدر میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضلع کے شمال اور مغرب میں ضلع شیخوپورہ، مشرق میں واہگہ، جنوب میں ضلع قصور، شمال میں دریائے راوی بہتا ہے۔ لاہور شہر کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ شہر مختلف ادوار میں مختلف تبدیلیوں سے گزرا۔ اس کی تاریخ بے حد پرانی ہے اور اس کے نام کے بارے میں مختلف روایتیں ملتی ہیں اور یہ روایتیں تقریباً ہر اُس مؤرخ نے لکھی ہیں جس نے لاہور کی تاریخ لکھی ہے۔ لاہور کی تاریخ پنجاب کے اس خطے کی نہایت اہم تاریخ ہے۔ تاہم یہ بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی کہ لاہور کی بنیاد کب اور کس کے ہاتھوں رکھی گئی۔ کیونکہ لاہور کی تاریخ روایات، قیاسات اور حکایات سے اس قدر بھری ہوئی ہے کہ باوجود بہت سے مؤرخین کی علمی اور تحقیقی کاوشوں کے یہ بات کسی حتمی نتیجے سے عاری ہے کہ لاہور کا نام اور قیام کب عمل میں آیا؟ مختلف مؤرخین کی جستجو میں سے ڈاکٹر محمد باقر کی رائے کافی اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

> "میری تحقیق کے مطابق لاہور کا ذکر سب سے پہلے چوتھی صدی ہجری کی ایک تالیف 'حدودِ عالم' میں ملتا ہے۔ اس کتاب کے مصنف کا نام معلوم نہیں لیکن اس کی تاریخ تصنیف ۳۷۲ھ (۹۸۲ عیسوی) ہے۔ اس کتاب میں درج ہے، "لاہور شہر یست باناحیت بسیار و سلطانش از دست امیر ملتانست و اندرو بازار باد بت خانہاست و اندر و درخت چلغوزہ و بادام و جوز بندی بسیار ست و ہمہ بت پرستند و اندر دی ہیچ مسلمان نیست"۔ (لاہور ایک شہر ہے جس کی بہت سی سرحدیں ہیں، اس کی حکومت امیر ملتان کے ہاتھ میں ہے۔ اس شہر میں بازار ہیں، بُت خانے ہیں۔ اس میں چلغوزہ، بادام اور نندی اخروٹ کے درختوں کی بہتات ہے۔ یہاں کے رہنے والے سب بُت پرست ہیں اور اس میں کوئی مسلمان نہیں"۔i

پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر کی تحقیق کے مطابق گویا لاہور کا نام چوتھی صدی ہجری میں سامنے آیا۔ اس سے پہلے کسی تاریخ میں لاہور کا نام نظر نہیں آتا۔ لاہور کے نام کی مختلف شکلیں ضرور نظر آتی ہیں مثلاً لھور، لہانور، لادھور، لھادور، لانہور، لھادر، لہاور، لوھادور، لبھادار وغیرہ۔ مندھکور، مندکور یا مندکگور کا شہر لاہور صوبے کا دارالحکومت تھا لیکن یہ موجودہ شہر سے الگ کوئی شہر تھا۔ ۴۶۵ھ (۱۰۷۳ء) تک لاہور ملتان کے تابع رہا اور اس کی کوئی اہمیت تاریخ بیان نہیں کرتی۔ لاہور مسلمانوں کے دور سے قبل کئی بار آباد اور برباد ہوا۔ اسلامی دور سے پہلے جو سیّاح بھی پنجاب میں آئے انھوں نے لاہور کا ذکر نہیں کیا۔ لاہور میں ہمیں دفعتاً نویں صدی عیسوی کے آخر میں لکھی جانے والی کتابوں میں نمودار ہوتا نظر آتا ہے۔ اس لیے ہمیں مجبوراً اِن روایات کو اہمیت دینی پڑتی ہے جو اس شہر کے نام اور بنیاد کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر لکھتے ہیں:

"خلاصۃ التواریخ کا مصنف سجان سنگھ دھرے ۱۱۰۷ھ (۱۲۹۵ء) میں عام طور پر مشہور روایت کا ذکر کرتا ہے کہ لاہور کو رام چندر کے بیٹے 'لو' نے بسایا تھا اور یہ کہ جب لاہور برباد ہوا تو سیالکوٹ، پنجاب کا دارالخلافہ بنا دیا گیا تھا"۔[ii]

زیادہ تر مصنفین نے رام چندر کے بیٹے 'لو' یا 'لہور' کو لاہور کا بانی قرار دیا ہے۔ 'تاریخ حدیقۃ الاقالیم' کے مصنف مرتضیٰ حسن نے اپنی کتاب (۱۲۰۲ھ، ۱۷۸۷ء میں لکھی گئی) میں سجان سنگھ دھیر کے بیان کو دُہراتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"لاہور شہر یست در ہندوستان بر ساحل دریای راوی، مولف خلاصہ التواریخ فیو پسند کہ ہندوان آنرا یخف رام چندر کہ لہور نام داشت نست مید بند"۔[iii]

ترجمہ: لاہور ہندوستان میں دریائے راوی کے کنارے واقع شہر ہے۔ مؤلف 'خلاصۃ التواریخ' لکھتا ہے کہ راجہ رام چندر کے بیٹے لہور نے اس کی بنیاد رکھی"۔

روایتی طور پر ہندوؤں کی دیومالائی روایات اور داستانوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ایک مشہور روایت کے مطابق رامائن کی رزمیہ کے ہیرو رام چندر کے دو بیٹے تھے ایک 'لوہ' اور دوسرا 'کش'۔ کش نے قصور آباد کیا اور لوہ نے اپنی ماں سیتا کی یاد میں دریائے راوی کے کنارے پر آبادی بسائی اور یہ آبادی مختلف زمانوں میں لہور، لوہارو، لوھور، لہانور، لوہادور، لادھور، لھادر کے نام اپناتی ہوئی آخرکار لاہور کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعد میں آنے والے زمانوں میں اس شہر کے گرداگرد ایک فصیل اور تیرہ دروازے بنائے گئے تھے۔ ان دروازوں کی قریبی آبادیاں انھی دروازوں کے نام سے منسوب ہیں۔ اگرچہ دروازوں کے آثار مٹ چکے ہیں مگر کچھ دروازے ابھی بھی باقی ہیں اور آبادیاں انھی کے نام سے پکاری جاتی ہیں۔ ان دروازوں کے نام دہلی دروازہ، اکبری دروازہ، موچی دروازہ، شاہ عالمی دروازہ، روشنائی دروازہ، مستی دروازہ، شیر اں والا یا خضری دروازہ اور یکی دروازہ۔

لاہور شہر چونکہ ہندوستان میں آنے والے بیرونی حملہ آوروں کے لیے درّہ خیبر کے بعد پہلا پھاٹک تھا اس لیے یہ کئی بار حملوں کی زد میں آیا۔ اسلامی دور سے پہلے یہاں ہندو شاہیہ خاندان حکومت کرتا تھا۔ راجہ جے پال اور اس کا بیٹا انند پال یہاں کے حاکم تھے جنھیں محمود غزنوی نے ۱۰۲۷ء میں شکست دے کر لاہور فتح کر لیا اور فتح کی یاد میں یہاں پر ایک مسجد تعمیر کروائی۔ مسجد کے علاوہ محمود غزنوی نے لاہور کے قریب اپنے حکام کے لیے محمود پور نام سے کچی اینٹوں کا ایک قلعہ بھی تعمیر کروایا۔ اس قلعے میں ایک ٹکسال بھی تھی۔ سلطان کا منظورِ نظر ملک ایاز یہاں صوبے دار مقرر ہوا۔ ایاز نے لاہور کو نئے سرے سے آباد کیا اور یہاں پر ایک پُختہ قلعہ تعمیر کروایا۔ اس نے اس گرم جوشی سے شہر آباد کیا کہ چند ہی سال میں یہ کھنڈر شہر دوبارہ سے علماء و فضلاء کا مرکز بن گیا۔ غزنوی دور کے مشہور محقق علامہ ابو ریحان البیرونی نے لاہور کا ذکر بطور ایک صوبہ کیا ہے جس کا تخت قلعہ مندھوکور تھا۔ پنجاب ۱۱۰۰ء تک غزنوی سلاطین کے زیرِ سایہ رہا اور اس دور میں ہمیشہ بہت قابل اور ماہر لوگ بادشاہی خاندان کے افراد حکومت لاہور پر متعین ہوتے رہے۔ اس دور میں لاہور علم و فضل کا مرکز بن گیا۔ غزنوی دور کے علماء و فضلاء میں مخدوم علی ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ، فخر الدین حسین زنجانیؒ، سیّد اسماعیل

محدثؒ، مسعود سعد سلمانؒ اور ابوالفرج رومیؒ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان علماء کی بدولت یہاں کے مقامی باشندے جوق در جوق مسلمان ہو ئے۔ اُس عہد کے بارے میں ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں کہ:

"شہر تاریخی طور پر اُس وقت اُبھرا جب محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کر کے پنجاب کو اپنی سلطنت کا حصہ بنایا اور لاہور کو اس کا مرکزی شہر۔ جب پنجاب پر اس کا تسلط قائم ہو گیا تو اب وسط ایشیاء، افغانستان اور ایران سے یہاں ماہرین کی آمد شروع ہوئی جن میں صوفیاء، علماء، ادباء، شعراء، کاری گر، ہنر مند اور اہلِ حرفہ شامل تھے۔ شہر میں قلعہ کی از سرِ نو تعمیر ہوئی۔ امراء کے لیے حویلیاں اور مکانات تعمیر ہوئے۔ مسجدوں اور خانقاہوں کی ابتداء ہوئی اور اہلِ حرفہ نے حکمران طبقوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے فن اور ہنر کا مظاہرہ کرنا شروع کیا۔ ان سب سرگرمیوں نے شہر میں ایک نئے کلچر کی ابتداء کی۔ ہندو آبادی کے ساتھ مسلمان آبادی نے دونوں مذاہب کے لوگوں کو ایک دوسرے سے ملایا"۔[iv]

غزنویوں کے بعد ۱۱۸۶ء تا ۱۲۹۰ء تک لاہور پر غوری حکومت کرتے رہے۔ غوری دور میں بھی لاہور کی علمی و تہذیبی روایات قائم رہیں۔ مگر منگولوں کے حملوں کے نتیجے میں لاہور شہر ایک بار پھر زوال کا شکار ہو گیا۔ غوری و غزنوی عہد میں اس کی جو رونق اور عظمت اوجِ کمال تک پہنچی تھی وہ خاک میں مل گئی۔ یہی وجہ ہے کہ ابن بطوطہ ۱۳۳۴ء میں جب ہندوستان کی سیاحت پر آیا تو مختلف شہروں کا ذکر کرتا ہے مگر لاہور کا نہ اُس نے ذکر کیا اور نہ ہی وہ یہاں آیا۔ اس کے بعد ڈھائی سو سال پر محیط خلجی اور تغلق آئے۔ اس عرصے میں بھی لاہور چنگیز خانی تاتاریوں کے ہاتھوں کئی بار تباہ و برباد ہوا حتیٰ کہ جب سلطان مبارک شاہ لاہور آیا تو یہاں صرف کھنڈر تھے۔ اس نے لاہور شہر کو دوبارہ تعمیر کرایا۔ لاہور خاندانِ لودھی کے زمانے میں کافی مشہور رہا۔ اس دور میں یہاں پر بہت سے مدرسے اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔

مغلوں نے لاہور کو مرکزی حیثیت دی۔ بابر نے اپنے بیٹے کامران کو یہاں کا صوبے دار مقرر کیا۔ دریائے راوی کے کنارے اس کا بنوایا ہوا باغ اور بارہ دری ابھی بھی موجود ہے۔ ہمایوں کے دور میں لاہور سازشوں کا مرکز رہا۔ شیر شاہ سُوری کے نزدیک لاہور کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ ۱۴ سال کی جلاوطنی کے بعد ۱۵۵۴ء میں جب ہمایوں ایک فاتح کی حیثیت سے لاہور میں داخل ہوا تو اہلِ لاہور نے بہت خوش دلی سے ہمایوں کو اس شہر میں خوش آمدید کہا۔ شہر میں نہایت عظیم پیمانے پر چراغاں کیا گیا۔ اس شہر میں کہ جسے شیر شاہ سُوری اور اس کا بیٹا خاک میں ملانا چاہتے تھے۔ اکبر کے دور میں لاہور کو عروج حاصل ہوا۔ لاہور نے وہ شان و شوکت پائی جو اس سے پہلے کبھی اس نے نہ دیکھی تھی۔ اکبر نے لاہور شہر کے گرداگرد فصیل بنوا کر مختلف دروازے تعمیر کروائے۔ لاہور کے قلعے کو از سرِ نو تعمیر کروایا۔ اس کے بارے میں لیاقت علی سندھو لکھتے ہیں کہ:

"قلعہ لاہور ۱۲۰ ایکڑ پر پھیلا ہوا ہے اور اس کے ۱۳ دروازے ہیں۔ یہ روایت عام ہے رام چندر کے بیٹے لہو نے لاہور قلعہ کی بنیاد رکھی۔ یہاں پر ایک کچا قلعہ بنایا اور لاہور نام بھی اسی سے منسوب ہے۔ کئی سو سال بعد اکبر نے ایک پُختہ قلعہ بنایا"۔[v]

اکبر نے یہاں اپنے نام پر ایک منڈی بھی تعمیر کروائی جو آج تک اکبری منڈی کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ لاہور اس زمانے میں شال بافی اور پشمینے کے کام کا ایسا مرکز تھا کہ لاہور چھوٹا کشمیر معلوم ہونے لگا تھا۔ یہیں سے اکبر نے کشمیر پر حملہ کیا اور لاہور ہی سے اقوام سرحد کی گوشمالی کی۔ اُس نے اس شہر میں مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے خیر پورہ اور دھرم پورہ کے نام سے دو عظیم الشان غریب خانے قائم کیے۔ اکبر کے دور کے دو نورتن فیضی اور عُرفی بھی یہیں لاہور میں مقیم رہے۔ اکبر کے زمانے میں دریائے راوی اپنے پورے جوبن پر بہتا تھا اور اس کا پانی اس قادر گہرا تھا کہ اس میں جہاز چلا کرتے تھے۔ ابو الفضل نے آئینِ اکبری میں اس کا ذکر کیا ہے۔ اکبر کے عہد میں لاہور شہر کی تعمیر و ترقی کے کاموں کے ثمرات عوام کی زندگیوں میں بھی نظر آئے۔ لاہور تجارت کے حوالے سے ایک اہم شہر بن گیا اور عام لوگوں کے رہن سہن اور بود و باش میں بھی تبدیلی دیکھنے میں آئی۔ مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے مابین ایک مشترکہ بھائی چارہ قائم ہوا۔ ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں کہ:

> "مغلوں کے عہد میں شہر لاہور کی اہمیت اُس وقت ہوئی کہ جب اکبر اپنے بھائی مرزا حکیم کی بغاوت کو ختم کر کے کابل سے واپس ہوا تو اس نے لاہور میں تیرہ برس قیام کیا۔ اس دوران پورا مغل دربار لاہور میں آ گیا۔ قلعہ میں نئی عمارتوں کی تعمیر ہوئی۔۔۔ امراء نے اپنے محلات تعمیر کرائے۔ شاعروں، علماء اور صوفیاء کے ساتھ صنعت و حرفت سے تعلق رکھنے والے شہر میں آباد ہو گئے۔ شہر کو ایک نئی زندگی مل گئی۔ یہاں عیسائیوں کے مشن بھی تھے کہ جن سے اکبر دن رات مباحثے کرتا تھا، ان کے لیے قلعہ میں گرجا بھی تعمیر کرایا تھا۔ بادشاہ کے قیام نے شہر میں تجارت کو فروغ دیا"۔[vi]

اکبر کے بعد جہانگیر کے زمانے میں بھی لاہور کی تعمیر و ترقی کا سفر جاری رہا۔ جہانگیر نے بھی قلعہ میں بہت سی عالیشان عمارتوں کا اضافہ کیا اور لاہور شہر میں کئی باغات کی تعمیر بھی کروائی۔ جن کی تعمیر آج بھی دیکھنے والوں کے ذوقِ نظارہ کو تسکین دیتی ہے۔ اس نے ۱۶۰۸ء میں انار کلی کا خوبصورت مقبرہ بھی تعمیر کروایا۔ اس کی ملکہ نور جہاں کو بھی لاہور سے عشق تھا یہاں تک کہ جب ۱۶۲۴ء میں جہانگیر کی وفات ہوئی تو اسے اُس کی خواہش کے مطابق لاہور ہی میں دفن کیا گیا اور اس کا مقبرہ جو نہایت شاندار تھا نور جہاں نے تعمیر کروایا اور خود بھی بعد از وفات لاہور ہی میں دفن ہوئیں اور ان کے مزار پر مقبرہ اُن کے بھائی آصف جاہ نے بنوایا۔ جہانگیر کا عظیم الشان مقبرہ عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا ہے۔ جہانگیر کے بعد شاہ جہاں کی حکومت آئی تو شاہ جہاں نے اپنی جنم بھومی لاہور میں قلعہ لاہور کی تعمیرات کو نیا انداز دیا اور اس میں بے شمار نئے اور خوبصورت اضافے بھی کیے۔ لاہور میں بننے والی نہر، شالامار باغ شاہ جہاں ہی کے دور میں تعمیر ہوئے۔ شاہ جہاں کے دور میں لاہور نے اکبر کے دور سے بھی زیادہ تعمیر و ترقی کا زمانہ دیکھا۔ لاہور کی شان مسجد وزیر خان شاہ جہاں کے عہد میں تعمیر ہوئی جو فن اور خوبصورتی میں آج بھی بے مثال ہے اور دیکھنے والوں کو اپنے حسن و جمال سے مسحور کرتی ہے (اسد سلیم شیخ نے اپنی کتاب 'نگر نگر پنجاب' میں مسجد وزیر خان کی تعمیر جہانگیر کے دور میں لکھی ہے جبکہ یہ مسجد شاہ جہاں کے دور میں بنی تھی)۔

نواب وزیر خان کا باغ، نواب سعد اللہ خاں کا رنگ محل، نواب وزیر خاں کا مکان میری محل، دائی لاڈو کے ایوان اور ایسی ہی کئی دوسری عمارات لاہور کی زیبائش اور شُہرت کا باعث تھے۔ شاہ جہاں کے بعد داراشکوہ نے بھی یہاں کئی عالی شان محلات تعمیر کرائے۔ اُس نے میاں محمد سلطان کی سرائے کے پاس ایک چوک اپنے نام کا بنوایا لیکن شاہ جہاں کا یہ باتدبیر، فیاض اور قابل بیٹا جس میں ہندوستان کی وسیع سلطنت کو سنبھالنے کی تمام خوبیاں تھیں ہندوستان کا تاج و تخت سنبھالنے میں ناکام کر دیا گیا۔ اورنگ زیب نے داراشکوہ کو شکست سے دوچار کر کے ہندوستان کا تاج و تخت سنبھالا۔ وہ تقریباً نصف صدی تک حکمران رہا۔ اس نے اپنے دورِ حکمرانی میں لاہور میں دو اہم تعمیرات کرائیں ایک عالمگیری مسجد جو انشاء اللہ قائم و دائم رہے گی اور دوسری ایک بند جو اس نے ۱۶۶۱ء میں لاہور کو اپنے ذوقِ تعمیر سے وہ نشانیاں دیں کہ جن میں سے کچھ ابھی بھی لاہور کے ماتھے کا جھومر ہیں۔

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلوں کا زوال شروع ہوا اور لاہور تخت نشینی کی جنگوں اور سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان لڑائیوں کا محور و مرکز بنا رہا۔ اس دور میں لاہور کو کئی بار شدید نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۷۱۳ء سے لے کر لاہور پر بھنگی سرداروں کے قبضے تک لاہور کی تاریخ صوبائی ناظموں کے عروج و زوال کی تاریخ ہے۔ سکھ حکومت قائم ہونے تک لاہور کی حیثیت محض ایک ماتحت کی رہی۔ دہلی کی کمزور حکومتیں لاہور کو محض ایک صوبہ خیال کرتی رہیں اور اہلِ شہر کا روّیہ محض خاموش تماشائی رہا۔ احمد شاہ ابدالی کے مسلسل حملوں نے لاہور میں کافی تباہی مچائی۔ اٹھارویں صدی کا اختتام لاہور کی تاریخ میں اس لیے اہم ہے کہ احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ زمان نے لاہور پر لشکر کشی کا ارادہ کیا لیکن نوجوان سکھ سردار رنجیت سنگھ نے اسے لاہور کی حمایت کا یقین دلا کر لاہور کو بطور جاگیر حاصل کر لیا۔ سازشی امراء اُس کے ساتھ مل گئے اور شالامار باغ میں ہونے والی ملاقات کے نتیجے میں شہر لاہور کے شاہ عالمی اور لاہوری دروازے کھلوا کر رنجیت سنگھ کی فوج شہر کے اندر داخل ہو گئی۔ اگلے ہی دن رنجیت سنگھ کا قلعے پر قبضہ ہو گیا اور اس نے اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کے لیے ۱۱ اپریل ۱۸۰۱ء میں ایک عالی شان رسمِ تاج پوشی منعقد کر کے ٹکسال سے اپنے نام کے سکے ّجاری کروا دیے۔

۱۷۹۹ء میں جب رنجیت سنگھ لاہور پر قابض ہوا اور خالصہ ریاست کی بنیاد رکھ کے لاہور کو اپنا پایۂ تخت بنایا تو یہ شہر جو تقریباً نصف صدی قبل تہذیب و ثقافت کا ایک درخشاں مرکز تھا برباد ہو کر اُجڑ چکا تھا۔ کچھ لوگ اکبری دور کے بارہ دروازوں اور تیرہویں موری والے شہر کے اندر آباد تھے اور شہر سے باہر میلوں تک شکستہ عمارتوں، اُجڑے محلوں اور شاہی عمارتوں کے کھنڈر تھے اور اِن کھنڈروں کے درمیان متعدد قومی یادگاریں، باغات، مقبرے، مسجدیں اور خانقاہیں موجود تھیں۔ رنجیت سنگھ نے لاہور کو اپنا دارالحکومت اور شاہی قلعے کو اپنی قیام گاہ بنایا۔ مغلیہ دور کی خالی اور متروک حویلیوں کو اپنے سرداروں کے حوالے کیا۔ شہر کے گرد دفاع کے لیے نہایت بلند دوہری فصیل تعمیر کرائی۔ بیرونی فصیل میں فوجی نقطۂ نظر سے اہم کونوں پر بُرج بنوا کر اُن میں توپیں رکھوائیں۔ دونوں فصیلوں کے درمیان خندق تھی جس میں دریا سے پانی آتا تھا۔ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت کے بارے میں غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں کہ:

"رنجیت سنگھ نے شہر لیا تو دوبارہ صورت آبادی کی ظہور میں آئی۔ اس نے بڑی کوشش سے حصار کے اندر کا شہر

آباد کیا۔ شہر پناہ کی مرمت کی۔ پختہ خندق کھدوائی، دوہرے دروازے بنوائے۔ امراء، وزراء نے بھی مثل جمعدار خوشحال سنگھ ودھیان سنگھ وفقیر عزیز الدین ونور الدین وراجہ دیناناتھ وغیرہ بے شمار امیروں نے بڑی بڑی عمارات عالیشان بلند ووسیع بنوائیں باغ بنوائے۔ اگرچہ بادشاہی عمارات مثل مسجد بادشاہی ومقبرہ جہانگیر کے مرمت کی طرف رنجیت سنگھ نے توجہ نہ کی بلکہ ان کے پتھر اکھڑوا کر بے رونق وویران کر دیا تھا۔ مگر نئے مکانات، حویلیاں باغ وغیرہ ان کے بے شمار تعمیر ہوئے۔ الغرض سکھوں کی آخری سلطنت تک لاہور کی آبادی دن بدن ترقی پر تھی۔ صرچ کوچے بازار، میلے اور کیچڑ سے بھرتے ہوئے رہتے تھے"۔[vii]

رنجیت سنگھ کے زمانے میں بہت سی سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں دیکھنے میں آئیں۔ کئی قومی یادگاروں کو مسمار کر دیا گیا۔ اس زمانے میں لاہور میں رنڈی بازی زوروں پر تھی۔ شہر کے اکثر بازاروں میں چکلے تھے۔ ان رنڈیوں میں رقص وموسیقی کی ماہر فنکار بھی تھیں۔ رنجیت سنگھ کی ایک بیوی مائی موراں بھی ایک ماہر رقاصہ تھی۔ لاہور میں فقیر خاندان بھی رنجیت سنگھ کے دور میں اُبھرا۔ رنجیت سنگھ کا دور اس کی وفات ۱۸۳۹ء جون تک چلا۔ ۱۸۳۹ء سے لے کر ۱۸۴۹ء تک انگریز نے حیلوں بہانوں اور کچھ اپنی طاقت وذہانت کے بل بوتے پر سکھ حکومت کو کمزور تر کر کے آخر کار پورے پنجاب پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ انگریز پنجاب پر قابض ہوا تو لاہور شہر کی آبادی صرف قدیم شہر تک ہی محدود تھی۔ شہر کے اندر بازار اور گلیاں بہت تنگ تھیں اور آبادی بے حد گنجان تھی۔ جگہ جگہ درباری امراء اور رؤساء کی حویلیاں تھیں۔ شہر کی دوہری فصیل تھی اور میلوں تک پھیلے ہوئے مغلیہ دورِ حکومت کے محلات کے کھنڈرات تھے جن کی اینٹیں شہر کی نئی بننے والی عمارات میں استعمال کی جاتی تھیں۔ باغبانپورہ، چاہ میراں، گڑھی شاہو، گنج، اچھرہ، مزنگ، قلعہ گوجر سنگھ کے علاقے تحصیل لاہور کے گاؤں سمجھے جاتے تھے۔ مگر آج یہ سب آبادیاں لاہور کے محلے اور علاقے ہیں۔ ۱۸۴۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تقریباً ایک صدی تک یہاں انگریز کی حکومت رہی اور لاہور شہر کی وُسعت بڑھتی رہی اور اس کی تعمیر وترقی میں اضافہ ہوتا رہا۔ سرکاری دفاتر، ہائیکورٹ، ریلوے کے دفاتر اور کارخانے شہر کی رونق اور آبادی میں اضافے کا اہم ترین سبب بنے۔ لاہور شہر کی سب سے زیادہ آبادی پہلی اور دوسری جنگِ عظیم کے دوران بڑھی۔ انگریزی حکومت کے ابتدائی زمانے ہی میں پرانے شہر کی خندق بند کر دی گئی تاکہ شہر میں تازہ ہوا آسکے۔ لاہور کا قدیم گول باغ ہے لیکن انگریزوں نے یہاں لارنس گارڈن بنایا۔ اس باغ میں منٹگمری ہال بنا۔ اب وہاں قائداعظم لائبریری ہے۔ ۱۸۸۲ء میں پنجاب کے امراء کے بچوں کے لیے ایچی سن کالج قائم ہوا۔ لاہور میں بڑی تبدیلیاں اس وقت دیکھنے میں آئیں جب ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد لاہور میں انگریزوں کی آمد ہوئی اور انھوں نے فیصلہ کیا کہ شمالی ہندوستان کے اہم شہر کی حیثیت سے لاہور کو ترقی دی جائے۔ لاہور کی صدیوں سے چلی آرہی لگی بندھی زندگی کی تہذیب، روایات اور ثقافت میں نئی تبدیلیاں آنا شروع ہوئیں کیونکہ انگریز نے نئے شہر لاہور کو یورپی طرز پر آباد کیا تھا اور یہاں انھوں نے اپنے حفاظتی اقدامات کا بھی خیال رکھا تاکہ اگر عوام کسی قسم کا ہنگامہ کرتے تو پولیس کو اسے قابو کرنے میں دُشواری نہ ہو۔ سڑکوں کے علاوہ شہر کا ریلوے اسٹیشن بھی اسی طرح قلعے کی صورت بنایا گیا۔ انگریز دور میں تہذیب وثقافت میں آنے والی تبدیلیوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر مبارک علی لکھتے ہیں کہ:

"شہر کو جدید طرز پر تعمیر کیا گیا۔ اس کے مرکز کی شاہراہ مال روڈ کاروبار کا مرکز تھی۔ یہاں درختوں اور پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ جہاں شام کو لوگ چہل قدمی کے لیے آتے اور آپس میں ملاقاتیں ہوتی تھیں۔ شہر میں ضرورت کے تحت پبلک عمارتیں تعمیر ہوئیں جن میں پوسٹ آفس، عدلیہ، بنک، اسکول، کالجز اور حکومت کے آفس شامل تھے۔ عیسائیوں کے نئے گرجا اور کیتھڈرل بنائے گئے۔ اس کے ساتھ ہی انگریز حکومت نے شہر کو تعلیم کا مرکز بنایا۔ یہاں سب سے پہلے ٹیچر ٹریننگ کالج کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ شمالی ہندوستان کا پہلا ٹریننگ کالج تھا۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج اور اورینٹل کالج کی عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ جاگیرداروں اور امراء کے لڑکوں کے لیے اچیی سن کالج بنایا گیا۔ جب ہندوؤں اور مسلمانوں میں جدید تعلیم کی اہمیت کا احساس ہوا تو ان دونوں نے اپنے اپنے ادارے قائم کیے۔ یوں لاہور تعلیم کا ایک انتہائی اہم مرکز بن گیا"۔[viii]

انگریزی حکومت کا لاہور ایک جدید تہذیب کا نمائندہ شہر بن کر اُبھرا۔ پرانی تہذیب کے ساتھ ساتھ جدید تہذیب کے سنگم نے لاہور کو بیک وقت قدیم و جدید اور مشرق و مغرب کی تہذیب اور ثقافت سے معمور کر دیا۔ ۱۸۶۰ء میں لاہور ریلوے اسٹیشن سے پہلی ریل گاڑی چلائی گئی جو لاہور سے امرتسر گئی۔ لاہور ریلوے اسٹیشن پاکستان کا سب سے بڑا ریلوے اسٹیشن ہے۔ لاہور ہی کے منٹو پارک میں ۱۹۴۰ء میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی۔ جس کی بنیاد پر پاکستان کا حصول ممکن ہوا۔ قیامِ پاکستان سے پہلے لاہور کی ایک بڑی آبادی ہندوؤں پر مشتمل تھی جو لاہور کی تجارت پر چھائے ہوئے تھے۔ البتہ کئی مسلمان خاندان سیاست و سماج میں بہت بلند مقام رکھتے تھے۔ لاہور ادب کا دبستان بھی تھا۔ ۱۹۲۵ء کے بعد لاہور میں چائے نوشی کا رواج عام ہوا اور جگہ جگہ چائے خانے کھل گئے مگر اِن میں سے چند ایک ایسے تھے جنھیں ادبی چائے خانے کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔ ان میں عرب ہوٹل ریلوے روڈ، نگینہ بیکری، کافی ہاؤس اور پاک ٹی ہاؤس کے نام اہم ہیں۔ یہ چائے خانے اور ہوٹل تو وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو گئے لیکن پاک ٹی ہاؤس ایک دو سال پہلے تک قائم رہا اور ادیبوں کا مرکز رہا۔ اسے دوبارہ بحال کرنے کی کوشش کی گئی مگر پہلے والی بات نظر نہیں آئی۔ یہ چائے خانے کئی ادبی تحریکوں کے جنم لینے کا باعث بنے اور لاہور کی تہذیبی اور ثقافتی زندگی میں ان کی اہمیت مسلمّ ہے۔ یہاں پر بیٹھنے والوں میں احسان دانش، انتظار حسین، ناصر کاظمی، شُہرت بخاری، انجم رومانی، قیوم نظر، یوسف کامران، جمال انصاری، سجاد باقر رضوی، اعجاز بٹالوی، شیر محمد اختر، منیر نیازی، عمر فیضی، شہزاد احمد، عارف عبدالمتین، احمد ندیم قاسمی، سیّد عابد علی عابد اور ڈاکٹر وزیر آغا کے علاوہ ادب کے اُفق پر چمکنے والے بے شمار ستارے شامل تھے۔ لاہوری تہذیب پہلوانوں، اکھاڑوں اور فنکاروں کے ساتھ پروان چڑھی۔ اسد سلیم شیخ لکھتے ہیں کہ:

"ادب کے ساتھ ساتھ لاہور پہلوانوں اور فنکاروں کا بھی شہر تھا۔ یہاں کے اکھاڑے ہمیشہ پہلوانوں سے پُر رونق رہتے۔ برصغیر کے کئی نامور پہلوانوں نے یہاں جنم لیا اور اس کے اکھاڑوں سے فن سیکھ کر دنیا میں اپنا نام کمایا۔ ان میں رُستمِ ہند بھولو پہلوان، گونگا پہلوان، رُستمِ ہند امام بخش پلوان اور گوگا پہلوان کے نام نمایاں ہیں اور فنکاروں میں کالے خاں، پیارے خاں، مبارک علی خاں، بڑے غلام علی خاں، چھوٹے غلام علی خاں، نزاکت علی خاں،

> خواجہ خورشید انور، فیروز نظامی، رشید عطرے جیسے موسیقاروں نے لاہور میں جنم لینے والی موسیقی کے ساتھ ساتھ فلمی موسیقی کو بھی عروج بخشا جبکہ شمشاد بیگم، سردار بائی، انور بائی، عیدن بائی، خورشید بائی، اقبال بانو، فریدہ خانم، آشا بوسلے اور نور جہاں جیسی گلوکاراؤں نے بھی اپنی آوازوں سے دلوں کو گرمائے رکھا۔ مہدی حسن نے بھی اپنے فن کا آغاز لاہور سے ہی کیا"۔[ix]

لاہور نے قیامِ پاکستان کے بعد تیزی سے ترقی کی۔ ۱۹۴۷ء میں جب پاکستان بنا تو لاہور کی آبادی نو لاکھ تھی۔ مہاجرین کی آمد کے ساتھ ہی ایک سال میں بارہ لاکھ ہو گئی۔ ۱۹۸۱ء تک آتے آتے یہ ۳۰لاکھ تک پہنچ گئی اور ۱۹۹۸ء میں یہ آبادی ۶۵ لاکھ کو چھونے لگی۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور ایک صنعتی شہر کا درجہ اختیار کر گیا۔ اس کے چاروں طرف کارخانے قائم ہو گئے۔ راوی روڈ کے پار شیخوپورہ روڈ پر سائیکل سازی، ٹریکٹر سازی، کیمیاوی اشیاء کے کارخانے، فلور ملز اور پولیسٹر کے کارخانے ہیں۔ قصور روڈ پر کوٹ لکھپت میں ہمدرد کی فیکٹری، رنگ سازی کا کارخانہ، ٹریٹ کارپوریشن، اتفاق فاؤنڈری، پیکو پیکجز، دواؤں کی فیکٹری اور کئی چھوٹے موٹے یونٹ کام کر رہے ہیں۔ تیسری سمت ملتان روڈ پر پارچہ بافی، گارمنٹس، ادویات کے کارخانے، قرشی دواخانہ، ہائی نون لیبارٹریز، شکر کے کارخانے کے علاوہ اور بھی صنعتی یونٹس قائم ہیں۔ چوتھی طرف واہگہ کے پاس باٹا پور فیکٹری اور زرعی آلات بنانے کے سرکاری و غیر سرکاری کارخانے ہیں۔ اس کے علاوہ لاہور تا گوجرانوالہ جی ٹی روڈ کے دونوں طرف گویا کارخانے ہی کارخانے ہیں۔ لاہور شہر کے اندر بھی مختلف علاقوں میں کئی چھوٹی صنعتیں قائم ہیں جو روز مرہ ضرورت کی اشیاء تیار کرتی ہیں۔

لاہور میں صحت و تعلیم کی بات کریں تو یہ شہر آغاز ہی سے علم و ادب کا مرکز رہا ہے۔ یہاں قائم ہونے والی پنجاب یونیورسٹی قیامِ پاکستان کے وقت واحد یونیورسٹی تھی۔ کنگ ایڈورڈ کالج ملک کا واحد طبی ادارہ تھا جبکہ گورنمنٹ کالج ملک کا قدیم ترین معیاری کالج تھا۔ اب پنجاب یونیورسٹی کا اولڈ کے ساتھ نیو کیمپس نہر کے ساتھ بن چکا ہے جس میں ملک کے ہزاروں طالب علم زیرِ تعلیم ہیں۔ طلبہ کے ہاسٹل بھی قائم ہیں۔ اس کے علاوہ لاہور میں متعدد سرکاری و غیر سرکاری یونیورسٹیاں اور کالجز ہیں۔ انجینیئرنگ یونیورسٹی، ایجوکیشن یونیورسٹی، اینیمل ویٹرنری یونیورسٹی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور کالج یونیورسٹی، لاہور یونیورسٹی آف مینجمنٹ سائنسز، بیکن ہاؤس یونیورسٹی، میڈیکل یونیورسٹی علامہ اقبال میڈیکل کالج، فاطمہ جناح میڈیکل کالج، اسلامیہ کالج سول لائنز، اسلامیہ کالج ریلوے روڈ، دیال سنگھ کالج، ڈینٹل کالج، ایم اے او کالج، اورینٹل کالج، ہیلی کالج آف کامرس، کنئیرڈ کالج، اسلامیہ کالج برائے خواتین کوپر روڈ، پنجاب گروپ آف کالجز، گلبرگ کالج برائے خواتین، ماڈل ٹاؤن کالج برائے خواتین، اسلامیہ کالج برائے خواتین لاہور کینٹ اور بے شمار تعلیمی ادارے لاہور کے تعلیمی میدان میں سرگرمِ عمل ہیں۔ کئی غیر ملکی تعلیمی اداروں کے ذیلی کیمپس بھی لاہور میں قائم ہیں۔ اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں سرکاری و غیر سرکاری ہائی، مڈل اور پرائمری سکول بھی ہیں۔ صحت کے شعبے میں سرکاری و غیر سرکاریہ ہسپتالوں کی تعداد بھی درجنوں میں ہے۔ لاہور کے بڑے ہسپتالوں میں میو ہسپتال، گنگارام ہسپتال، جناح ہسپتال، شیخ زید ہسپتال، سروسز ہسپتال، گلاب دیوی ہسپتال، نواز شریف ہسپتال، چلڈرن ہسپتال کے نام اہم ہیں۔

لاہور کے قابلِ دید مقامات اور عمارات میں شاہی قلعہ، بادشاہی مسجد، مسجد وزیر خان، مقبرہ جہانگیر، مقبرہ نور جہاں، کامران کی بارہ دری، مزار علامہ اقبال، مینار پاکستان، عجائب گھر، چوبرجی، الحمراء، نیشنل کالج آف آرٹس، پنجاب پبلک لائبریری، مسجد شہداء، اسلامی سربراہ کانفرنس مینار، پی آئی اے سیارگاہ، قذافی اسٹیڈیم کے علاوہ بہت سی قدیم مساجد، مندر، گوردوارے، لائبریریاں موجود ہیں۔ لاہور میں درجنوں قدیم اور جدید باغات، کھیل کود کے میدان ہیں۔ باغات میں باغِ جناح، شالیمار باغ، ریس کورس پارک، جلو پارک، ماڈل ٹاؤن پارک، گلشنِ اقبال اور مینار پاکستان پارک کا شمار مشہور اور بڑے پارکوں میں ہوتا ہے۔ قذافی اسٹیڈیم، فورٹریس اسٹیڈیم اور ہاکی اسٹیڈیم کھیلوں کے بڑے میدان ہیں۔ کئی اور بھی دوسرے چھوٹے بڑے اسٹیڈیم شہر میں موجود ہیں جن میں باغِ جناح کی گراؤنڈ اور جم خانہ گراؤنڈ زیادہ قابلِ ذکر ہیں۔

قیامِ پاکستان سے قبل لاہور میں ماڈل ٹاؤن، کرشن نگر اور سنت نگر ہندوؤں اور سکھوں کی تعمیر کردہ نئی بستیاں تھیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ نئی بستیاں اور سول سوسائٹیاں وجود میں آ گئیں۔ سمن آباد، گلبرگ، علامہ اقبال ٹاؤن، جوہر ٹاؤن، ڈیفنس سوسائٹی، گرین ٹاؤن، نیو مسلم ٹاؤن، ٹاؤن شپ، واپڈا ٹاؤن، فیصل ٹاؤن، بحریہ ٹاؤن بڑے علاقے ہیں۔ ان میں سے ہر بستی بجائے خود ایک شہر ہے اور لاہور کی توسیع کا سلسلہ جاری ہے۔ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل، ہوٹل انٹرنیشنل، آواری ہوٹل، ہالیڈے ان ہوٹل، لاہور ہوٹل، ایمبیسیڈر ہوٹل کا شمار لاہور کے بڑے ہوٹلوں میں ہوتا ہے۔ لاہور نشر و اشاعت کا بھی بڑا مرکز رہا ہے۔ فیروز سنز، شیخ غلام علی اینڈ سنز، شیخ شوکت علی اینڈ سنز، قدیمی ادارے ہیں ان کے علاوہ اب شہر میں سینکڑوں اشاعتی ادارے ہیں۔ نئے اشاعتی اداروں مین سنگِ میل پبلی کیشنز، ماورا پبلی کیشنز، مقبول اینڈ سنز، فکشن ہاؤس، مکتبہ تعمیر انسانیت، الفیصل پبلشرز، نگارشات، بُک ہوم اور اظہار سنز شامل ہیں۔ اُردو بازار درسی کُتب کی اشاعت اور خرید و فروخت کا ایشیاء میں سب سے بڑا بازار ہے۔ یہاں سے شائع ہونے والے اخبارات میں نوائے وقت، جنگ، خبریں، پاکستان، دن، ایکسپریس، ڈان، دی نیوز اور رسائل میں نقوش، فنون، اوراق، ادب لطیف، ادب دوست، اُردو ڈائجسٹ، قومی ڈائجسٹ، حکایت، سیارہ ڈائجسٹ وغیرہ اہم ہیں۔ ان کے علاوہ درجنوں روزنامے، ہفت روزے اور ماہنامے بھی شائع ہوتے ہیں۔ کچھ پرانے اخبارات، ماہنامے جو ماضی میں بہت مشہور تھے بند بھی ہو گئے۔ لاہور پنجاب کا سب سے بڑا تجارتی مرکز ہے۔ بڑے مراکز میں انارکلی بازار، مال روڈ، رنگ محل، اچھرہ، اکبری منڈی، لبرٹی مارکیٹ، برکت مارکیٹ، مون مارکیٹ، ڈیفنس اور فورٹریس اسٹیڈیم زیادہ معروف ہیں۔ ان مارکیٹوں کے علاوہ لاہور میں بے شمار چھوٹے بڑے بازار ضروریاتِ زندگی کی خرید و فروخت کا مرکز ہیں۔ بڑے بڑے مال بھی شہر کی تہذیب و ثقافت میں شامل ہو چکے ہیں۔ پیکیجز مال، ایمپوریم مال، فورٹریس سکوائر مال، مال آف لاہور، امانہ مال، گولڈن کرسٹ مال، ڈولمن مال لاہور کے اہم مالز ہیں۔

لاہور فلمی صنعت کا بھی گڑھ رہا ہے۔ بے شمار فلمیں یہاں پر قیامِ پاکستان سے قبل اور بعد میں بنیں۔ سینما یہاں کی تہذیبی زندگی کا نمایاں پہلو رہا ہے۔ فلم سازی کے لیے یہاں پر سٹوڈیوز بھی موجود تھے مگر اب وقت کے ساتھ ساتھ تھری ڈی سینما گھر مختلف مالز

میں قائم ہو گئے ہیں اور پرانے سینماگھر تجارتی پلازوں یا اسٹیج ڈراموں میں بدل گئے ہیں۔ ماضی میں پوری ایبٹ روڈ سینماؤں کے حوالے سے جانی جاتی تھی اور اس کا لاہور کی ثقافتی زندگی سے گہرا تعلق تھا۔ لاہور میں ثقافتی تہوار مسلمانوں، ہندوؤں اور سکھوں کے حوالے سے بسنت، ہولی، بیساکھی وغیرہ منائے جاتے تھے لیکن قیامِ پاکستان کے بعد یہاں پر بسنت کا تہوار بڑے زور و شور سے منایا جاتا تھا۔ پتنگ بازی کے ساتھ خوب جشن کا سماں ہوتا تھا۔ مگر پتنگوں میں دھاتی تار کے استعمال کے بعد اب یہ تہوار بھی ماضی کا حوالہ بن گیا ہے۔ لاہور کو صُوفیاء کا شہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں پر داتا علی ہجویریؒ، مادھولال حسینؒ، پیر مکیؒ، حضرت میاں میرؒ، شاہ حسینؒ، حضرت شاہ محمد غوثؒ، شاہ ابوالمعالیؒ، شیخ موسیٰ آہنؒ، پیر بلخیؒ، سیّد یعقوب زنجانیؒ، شاہ اسماعیلؒ، شاہ کاکو چشتیؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے بزرگوں کے مزارات ہیں جہاں مختلف اوقات میں میلے اور عُرس منعقد ہوتے ہیں۔ لاہور پنجاب کا دل ہے۔ یہ ایک تاریخی اور ثقافتی شہر بھی ہے۔ یہاں کے باشندے زندگہ دلانِ لاہور کہلاتے ہیں۔ یہاں کے باسی روایتی ناشتوں اور کھانوں کے بے حد شوقین ہیں۔ پُوری حلوہ، میٹھا پوری، سادہ پُوری، قیمے کا قتلمہ، دہی کی لسیّ، دہی دودھ، لسیّ دودھ، چائے، جوس، مرُبہ جات، روغنی نان، کلچے، چنے مرُغ، حلیم، سری پائے وغیرہ لاہوریوں کے پسندیدہ ناشتے ہیں۔

پاکستان کا پہلی ٹی وی اسٹیشن بھی لاہور میں ہی قائم ہوا تھا۔ اب یہاں پر سرکاری ٹیلی ویژن پی ٹی وی کے علاوہ بے شمار پرائیویٹ چینل بھی کھل چکے ہیں جن کے دفاتر اور سٹوڈیو یہاں موجود ہیں۔ لاہور کا ریڈیو اسٹیشن بھی دیگر اسٹیشنوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ فلم اور ٹیلی ویژن کے بے شمار فنکاروں کی تربیت میں لاہور ریڈیو اسٹیشن کا بڑا ہاتھ ہے۔ لاہور شہر کے ساتھ چھاؤنی بھی ہے۔ لاہور کینٹ کا پورا علاقہ خوب صورت، کشادہ اور صاف ستھرا ہے۔ شہر میں آمد ورفت کے لیے ریلوے اسٹیشن اور بے شمار ویگنوں اور بسوں کے اڈے موجود ہیں۔ سب سے بڑا لاری اڈا بادامی باغ میں ہے۔ اس کے علاوہ راوی روڈ، بکر منڈی کے ارد گرد بسوں اور کوچوں کے درجنوں اڈے ہیں۔ لاہور میلوں کے حوالے سے بھی خاص شُہرت رکھتا ہے۔ یہاں پر لگنے والا میلہ چراغاں سب سے بڑا میلہ ہے۔ یہ میلہ ہر سال مارچ کے آخری ہفتے میں ہفتہ اور اتوار کو شاہ جہاں کے بنوائے ہوئے باغ شالامار کے ارد گرد مادھولال حسینؒ کے مزار کے حوالے سے منعقد ہوتا ہے۔ یہاں پنجاب کے دور دراز شہروں سے لوگ شرکت کے لیے آتے ہیں۔ پہلے یہ میلہ باغ کے اندر لگتا تھا لیکن ۱۹۶۰ء کے بعد سے یہ میلہ باغ کے باہر لگتا ہے۔ داتا گنج بخشؒ کے عُرس پر لگنے والا میلہ بھی مشہور ہے۔ حضرت میاں میرؒ کے مزار پر بھی میلہ لگتا ہے۔ قیامِ پاکستان سے قبل یہاں بھدر کالی کا میلہ ٹھوکر نیاز بیگ میں، بیساکھی کا میلہ، جوڑ کا میلہ، چھڑیوں کا میلہ اور مقبرہ جہانگیر پر پار کا میلہ بھی منعقد ہوتا تھا لیکن اب یہ میلے ختم ہو چکے ہیں۔ لیکن بزرگوں کے مزاروں پر لگنے والے میلے اب بھی پوری ثقافت کے ساتھ منعقد ہوتے ہیں۔ لاہور آج بھی تہذیب و ثقافت، علم و ادب، صنعت و تجارت، تاریخی عمارات، باغات، فن اور فنکاروں کا شہر ہے۔

لاہور آبادی کے لحاظ سے پنجاب کا سب سے بڑا ضلع ہے۔ اس کا رقبہ ۱۷۷۲ مربع کلومیٹر ہے اور ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق اس کی آبادی ۱۱،۱۲۶،۲۸۵ افراد پر مشتمل ہے۔

ماخذات

[1] محمد باقر،ڈاکٹر۔لاہور (تاسیس اور وجہ تسمیہ)بشمولہ نقش پائے لاہور۔لاہور:چوپال پبلشرز۔۲۰۰۷ء

[1] حدیقۃ الاقالیم۔پنجاب یونیورسٹی کا خطی نسخہ۔برگ ۸

[1] مبارک علی،ڈاکٹر۔تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء

[1] لیاقت علی سندھو۔لاہور کی کھوج۔لاہور۔۲۰۱۹ء

[1] مبارک علی،ڈاکٹر۔لاہور تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء

[1] مفتی غلام سرور۔تاریخ مخزنِ پنجاب۔لاہور:امن پبلی کیشنز۔۲۰۱۰ء(دوسرا ایڈیشن)

[1] مبارک علی،ڈاکٹر۔لاہور تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء

[1] اسد سلیم شیخ۔نگر نگر پنجاب۔لاہور:فکشن ہاؤس۔۲۰۱۷ء

https://ssld.org/Journals/index.php/tahreer/article/view/48.

حوالہ جات

[i] محمد باقر،ڈاکٹر۔لاہور (تاسیس اور وجہ تسمیہ)بشمولہ نقش پائے لاہور۔لاہور:چوپال پبلشرز۔۲۰۰۷ء۔ص ۶۰

[ii] ایضاً۔ص ۶۸

[iii] حدیقۃ الاقالیم۔پنجاب یونیورسٹی کا خطی نسخہ۔برگ ۸

[iv] مبارک علی،ڈاکٹر۔تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء۔ص ۸

[v] لیاقت علی سندھو۔لاہور کی کھوج۔لاہور۔۲۰۱۹ء۔ص ۳۱

[vi] مبارک علی،ڈاکٹر۔لاہور تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء۔ص ۱۰

[vii] مفتی غلام سرور۔تاریخ مخزنِ پنجاب۔لاہور:امن پبلی کیشنز۔۲۰۱۰ء(دوسرا ایڈیشن)۔ص ۲۲۰

[viii] مبارک علی،ڈاکٹر۔لاہور تبدیلیوں سے گزرتا ہوا شہر۔لاہور:تاریخ پبلی کیشنز۔۲۰۱۸ء۔ص ۱۱۔۱۰

[ix] اسد سلیم شیخ۔نگر نگر پنجاب۔لاہور:فکشن ہاؤس۔۲۰۱۷ء۔ص ۵۸۳

References:
1.Muhammad Baqar,Dr.,Lahore(tasees or waja tasmia) mashmola ,Naqsh Pai Lahore,Lahore: Chopal Publishers,2007,pg:60
2.As above ,pg:68
3.Hadiqat-ul-aqalim ,Punjab University ka khati nuskha ,Barg ,8
4.Mubarik Ali,Dr., Lahore Tabdeliyo se guzarta huwa shehar ,Lahore:Tareekh Publications,2018,pg:08
5.Liaqat Ali Sindhu ,Lahore ki khoj ,Lahore,2019,pg:31
6. Mubarik Ali,Dr., Lahore Tabdeliyo se guzarta huwa shehar ,Lahore:Tareekh Publications,2018,pg:10
7.Mufti Ghulam Sarwar ,Tareekh e makhzan ,Lahore : Aman publications,2010,(2nd edition),pg:220
8. Mubarik Ali,Dr., Lahore Tabdeliyo se guzarta huwa shehar ,Lahore:Tareekh Publications,2018,pg:10,11
9.Asad Saleem Sheikh ,Nagar Nagar Punjab ,Lahore:Fiction House ,2017,pg:583